نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر

صلاح الدین محمود

ترکوں نے حجاز پر اپنے دورِ حکومت کے دوران رسولِ پاکؐ کی ولادت سے لے کر آپؐ کے وصال تک کے ہر لمحہ سے وابستہ ہر جسمانی، روحانی، تاریخی اور جمالیاتی کیفیت کو آئندہ نسلوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کام ایک غیر شعوری سطح پر تو عہدِ نبویؐ ہی سے جاری تھا مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے تھے، اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو — اس کام کے واسطے جنون کی حد تک رسولِ پاکؐ سے محبت، اور انسانی خواص کی حدود تک نفاست اور ذہنی سچائی کی ضرورت تھی۔ یہ رحمت، ترک لحن میں موجود تھی، اور اسی واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطۂ زمین پر آپؐ کا نزول ہوا اور آپؐ کا پہلا قدم پڑا، کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپؐ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپؐ کی آواز کا گداز پہلی بار برداشت کیا، کہ جس ہوا کی سہار سے پہلے پرندے کی پکار آپؐ تک آئی، اور پھر جس خلا کے خم سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپؐ کو اور آپؐ نے پہلی بار ان کو دیکھا، کہ جہاں جہاں آپؐ کی بینائی سے نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور جس جس طور پر آپؐ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان کی دوہری حرکت کو واحد کرکے اپنے لہو میں سمویا، کہ یہ قدآور لمحے، گوشے، چپے اور ہوا، اور بینائی، صدا اور شنوائی کے نقشِ اوّل محض رسول اللہؐ ہی کے نہیں بلکہ آتی دنیا تک ہر نئے کلمہ گو کے لہو کا اوّل، ازلی، آبائی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا۔ سو ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے پنپ پاکر اس بڑے ہوتے بچے میں بنو سعد کی خصلت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سب سے پہلے انہوں نے مدینہ منورہ میں اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں،

مرنے سے پہلے' ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے' اپنے گھر سے دور' بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے ' ایک شام' چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا' اور پھر اپنی کمسن' خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی کو بیوہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر' اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے' مر گیا تھا۔

پھر انہوں نے ایک پہاڑ کی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا تھا کہ جس کی پہلی منزل پر' شمال کی جانب قائم' ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں' کہ جہاں چار آئینوں کی اوٹ میں چار سمتیں ملتی تھیں' ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی' ظہور میں آیا تھا۔ اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محنت اور سورج سے کملائے ہاتھوں سے' اپنی ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس ضعیف انسان نے چادر میں لپٹے ہوئے اس نوزائدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی جانب بلند کیا تھا' اور دعا کی تھی کہ اے کائنات کے خالق' اس بچے پر رحم کرنا' اس واسطے کہ یہ بے آسرا اور یتیم ہے۔ ترکوں نے اس شمالی کمرے' اس آبائی پگ ڈنڈی اور اس دعا کے مقام کا بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کرکے نشان چھوڑا تھا۔

پھر انہوں نے پیلی رنگوں کے سیاہ پہاڑوں اور اکثر اوقات خاموش ریگستان کے سنگم پر قائم اس جگہ کو بھی دریافت کرکے محفوظ کیا تھا کہ جہاں' اس دعا کے کوئی چھ برس بعد' اپنے جواں مرگ خاوند کی قبر سے واپسی پر' اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے پکڑے' جب اس کم سن خاتون نے ایک رات کے واسطے پڑاؤ کیا تھا' تو وفات پائی تھی۔ اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ' کہ جس سے اب آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو رہا تھا' آخری بار دیکھا تھا' اور پھر اپنی ماں کو اپنے کچے کچے ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر قافلے کے ساتھ اپنے مقدر کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں نے اپنی مثالی درستگی' سادگی' صفائی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والوں کو آگاہی ہو کہ معصوم دلوں کی اکیل ہی ہے کہ جو ان کو وحدت کا ہم راز بناتی ہے۔

ان کا اگلا قدم اس راستے کا تعین کرنا تھا کہ جس پر اس واقعے کے تین برس بعد' یہ بچہ ایک ضعیف میت کے ساتھ ساتھ چارپائی کا پایا پکڑ کر' سب کے سامنے' بلک بلک کر روتا ہوا چلا تھا۔ اس کو شاید احساس تھا کہ آج کے بعد اس کی اکیل کائناتی وحدت کی اکیل ہے اور آج کے بعد شاید وہ کبھی کھل کر رو بھی نہ سکے گا--- غرض یہ کہ ترکوں نے رسولِ پاکؐ کی ولادت سے

لے کر آپؐ کے وصال تک کے واقعات کو آنے والی نسلوں کے تاریخی' جمالیاتی اور ایمانی شعور کے واسطے' درستگی اور سادگی کے ساتھ' محفوظ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اس میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ آپؐ کے بچپن سے جوانی تک کی سمتوں کا تعین کرنے کے بعد انہوں نے غارِ حرا کی چوٹی سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر اس اونچے پہاڑ کی نشیبی وادی میں قائم شہر کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے کا تعین کیا کہ جس جگہ حیرت پرے سے اپنے نام کی پکار سننے کے بعد واپس آکر رسول پاکؐ نے آرام فرمایا تھا' اور جہاں حضرت خدیجہؓ نے آپؐ پر اپنے مکمل اعتماد سے آپؐ کو اس حد تک حوصلہ دیا تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کہاں قیام کریں گے تو آپؐ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حضرت خدیجہؓ کی قبر کے ساتھ آپؐ کا خیمہ نصب کیا جائے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر کہ آخر ایک قبر کے کنارے ایک قبرستان میں کیوں؟ آپؐ نے فرمایا تھا کہ: "جب میں غریب تھا تو اس نے مجھ کو مالا مال کیا۔ جب انہوں نے مجھ کو جھوٹا ٹھہرایا تو صرف اسی نے مجھ پر اعتماد کیا اور جب سارا جہان میرے خلاف تھا تو صرف اس اکیلی ہی کی وفا میرے ساتھ تھی۔"

سو ترکوں کے ماہرین نے پہلے اس گھر کا' پھر اس گھر میں اس کمرے کا تعین کیا جہاں مکمل اعتماد کا یہ بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ اس کمرے اور اس کمرے کے بارے میں کہ جہاں آپؐ کا ظہور ہوا تھا' عثمانی حکومت کی جانب سے جو جاری احکامات تھے وہ کیا تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے گھر والے کمرے کے بارے میں جاری حکم تھا کہ ہر بار رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس میں سفیدی کی جائے اور پھر فجر کی اذان تک خواتین بآواز بلند قرآن کی تلاوت کریں۔ جبکہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں واقع اس شمالی کمرے کے بارے میں احکامات یہ تھے کہ پہلی ربیع الاوّل کو کمرے کے اندر سفید رنگ کیا جائے' رنگ ساز حافظ قرآن ہوں' اور پھر ربیع الاوّل کی اس رات کو جب آپؐ کا ظہور ہوا' معصوم بچے اس کمرے کے اندر آئیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم اور رواج تھا۔

سو جہاں انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے مکان اور مقبرے کا تعین کیا' وہاں انہوں نے بنو ارقم کی بیٹھک کو محفوظ' ورقہ بن نوفل کی دہلیز کو پختہ اور حضرت ام ہانیؓ کے آنگن کی نشاندہی بھی کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکے اور مدینے میں قائم ان ازلی قبرستانوں کو کہ جن میں خانوادۂ رسولؐ کے بیشتر افراد' اصحابِ کرام اور ان کے خاندان اور چیدہ ترین بزرگانِ دین قیامت کے منتظر سوتے تھے' صاف ستھرا اور پاک کروایا' اور پھر نہایت ہی سلیقے سے قبروں کی

نشاندہی کر کے مکمل نقشے مرتب کروائے۔

ان تمام کارروائیوں میں ترکوں کا طریقہ کار بہت مؤثر اور یکتا ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ترک حجاز پہنچے تو مسجد بلالؓ جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک پہاڑ پر واقع ہے، صدیوں کی غفلت کی وجہ سے تقریباً مٹی اور پتھر کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس چھوٹی سی مسجد کو اس کے اصلی خطوط پر دوبارہ تعمیر کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ پہلے تمام مٹی کو الگ کر لیا گیا، اور پھر تمام چونے کو، اور اس کے بعد تمام اصلی پتھروں کو۔ اس کے بعد مٹی اور چونے کو پیس کر اور نہایت ہی باریک چھلنیوں سے چھان کر الگ الگ تیار کر لیا گیا۔ بچے ہوئے چونے کا کیمیائی تجزیہ کر کے اس کے اجزاء معلوم کیے گئے۔ پھر ان اجزا کے اصلی اور پرانے ماخذ دریافت کرنے کے بعد ایک ہی ماخذ کے نئے اور پرانے چونے کو ملا کر اور مزید طاقت ور بنا کر چنائی کے واسطے استعمال کیا گیا۔ پتھر بھی اپنی تراش، کیفیت اور ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہدِ نبویؐ کے فوراً بعد نصب ہوئے تھے۔

اس طرح وہی مٹی، وہی گارا، اور وہی چونا اور وہی پتھر بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اوّل میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہو گئی اور اپنے اصلی اور اوّل خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقہ کار کی محض ایک، اور قدرے معمولی مثال ہے۔

جب ۵۳ برس مکے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر وہیں لے آئی کہ جہاں وہ ۵۳ گردشوں پہلے تھا تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا تھا، اور رسولِ پاکؐ نے مدینے کا رخ کیا تھا۔ سو ترک بھی اس آبائی راستے پر چل نکلے تھے۔ غارِ ثور کو انہوں نے کچھ نہ کہا، اور یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو اس کے جالے صاف کریں اور نہ ہی کبوتروں کے صدیوں پرانے گھونسلوں کے جھاڑ جھنکار کو کاٹیں یا ہٹائیں۔ غار ثور کو انہوں نے مکڑیوں اور کبوتروں کے سپرد ہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غارِ حرا تک کی نہایت ہی مشکل چڑھائی کو بھی انہوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی، تاکہ چڑھنے والوں کو چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا کہ دو تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناند بنا دی تاکہ بارش کا پانی کبھی کبھی جمع ہو سکے، اور بچے، بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں تو چڑھائی کے دوران پیاس بجھا سکیں۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم بنو نجار کی کچی بستی تک، ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پہنچے تو بنو

نجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کھچے لوگوں کو تلاش کیا اور' سینہ بہ سینہ محفوظ' ان کے لوک گیتوں کو پہلی بار قلم بند کر کے باقاعدہ محفوظ کیا۔ مسجدِ قبا کو نہایت ہی ہنر سے بحال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنوئیں کی منڈیر پر بھی سستانے کو بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسولِ پاکؐ نے قیام فرمایا تھا' اور جس کے' آپؐ کو دیکھ کر' آپ سے آپ اونچے ہوتے پانی میں' آپؐ نے اپنے چہرے کا شفاف عکس دیکھ کر' پہلے ایک لمحہ توقف' اور پھر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب راستہ مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپؐ کی آمد سے کوئی ۵۳ برس پہلے' ایک شام' مرنے سے پہلے' ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے' اپنے گھر سے دور اپنے بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے' چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا' اور پھر اپنی کم سن' خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کے' اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے' مر گیا تھا۔

ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبویؐ کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا۔۔۔۔

مسجدِنبویؐ کی تعمیر بھی ایمان' ہنر مندی' صبر' پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب اور انوکھی داستان ہے۔

پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کائناتی اور انسانی حدود سے ماورا طاقتوں کے بس کا عمل تھا' اور وہ انسان تھے۔ مگر جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سہارے انہوں نے یہ کام کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں نے اپنی وسیع سلطنت اور بھرپورے عالمِ اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سننا تھا تو ہندوستان' افغانستان' چین' وسطی ایشیا' ایران' عراق' شام' مصر' یونان' شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں' اور نہ جانے عالم اسلام کے کس کس کونے اور کس کس چپے سے نقشہ نویس' معمار' سنگتراش' بنیادیں زمین کی زندہ رگوں تک اتار دینے کے ماہر' چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلّق کرنے کے ہنر مند' خطاط' پچہ کار' شیشہ گر اور سیسہ ساز' کیمیا گر' رنگ ساز اور رنگ شناس' ماہرین فلکیات' ہواؤں کے رخ پر عمارتوں کی دھار بٹھانے کے ہنر مند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ علوم کے ماہرین' اساتذہ' پیشہ وروں اور ہنر مندوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل و عیال کو سمیٹا اور اس

ازلی بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کہیں بے حد دور' ایک چٹیل ریگستان میں ' جنت کی کیاری کے کنارے' ان کے رسولؐ کی قیام گاہ تعمیر ہونی تھی' اور وہ اور ان کے ہنر اب ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کو اس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک امید تھی' مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیاری اور مکمل اطاعت پر ان کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ بہرکیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً" ہر شاخ' اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی' اور حکومت کے اہلِ کار اپنی حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہل کاروں اور سفیروں کو یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اور ان کے ہمراہ ان کے اہل و عیال کو' اگر وہ چاہیں تو' قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطانِ وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ باہر' میدانوں میں' ایک خود کفیل اور کشادہ بستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہوئے تو ان کو ان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس عمل میں کوئی پندرہ برس گزر گئے۔ مگر اب یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے تھے۔ اب خود سلطانِ وقت اس نئی بستی میں گیا اور اس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کرکے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا کہ ہر ہنرمند اپنے سب سے ہونہار بچے یا بچوں (اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے' اور اس کے جوان ہو کر پختہ عمر تک پہنچنے تک اس کے بدن اور لحن میں اپنا مکمل فن منتقل کردے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا کہ وہ اس دوران اس انداز کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کرائیں۔ ساتھ ساتھ بچہ شہ سواری بھی سیکھے۔ اس تمام تعلیم' تربیت اور تیاری کے واسطے پچیس برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر' محنت' محبت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔

سو' پچیس برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشوونما پا کر تیار ہو گئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور نیک اطوار نوجوانوں کی ایک ایسی

جماعت تھی کہ جو محض اپنے اپنے آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکتا اور عنقا نہیں تھے' بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حافظ قرآن اور فعال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شہسوار بھی تھا۔ بچپن کے لمحۂ اوّل سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز' کہیں بے حد دور' ایک چٹیل ریگستان میں' جنت کی کیاری کے کنارے' اپنے رسولؐ کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلان اول سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے' اور مسجد نبویؐ کے معمار' کہ جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے' تیار تھے۔ ایک طرف تو ہنرمندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے سازو سامان اکٹھا کرنے میں ایک خاص قرینے کے ساتھ مصروف تھے۔ حکومت کی شعبہ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رگ و ریشے کے پتھر کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کرکے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کے جائے وقوع کو اس حد تک صیغہ راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبویؐ میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور ان چھوئے جنگل دریافت کیے گئے' اور ان کو کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان تلے موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالم اسلام میں اگنے والے درختوں اور خاکی و آبی پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کیے' اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے حجاز ہی کی ریت استعمال کی۔ پچہ کاری کے قلم ایران سے بن کر آئے۔ جبکہ خطاطی کے واسطے نیزنے دریائے جمنا اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اگائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت تیار ہوئی ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کر لیا۔ یہ سارا عمارتی سامان بمع ہنرمندوں کی جماعت کے' نہایت ہی احتیاط سے پہلے خشکی' پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دیا گیا' کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کے' تعمیر کے دوران' رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینے میں ہونی تھی تو پھر سازو سامان مدینے ہی میں رکھا جاتا' آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دور کیوں --- اس کی وجہ ترک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بہت بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جسامت کے ہزاروں پتھر کاٹے جانے تھے' بڑے بڑے مچان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت

سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کا بے حد امکان تھا' جبکہ وہ چاہتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرّہ برابر بھی کوئی شور نہ ہو اور جس فضا نے ہمارے رسولؐ کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سنی ہوئی تھی وہ اپنی حیا' سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام جس میں ذرا بھی شور کا امکان تھا' مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چنائی کے دوران کسی پتھر کی کٹائی ذرا زیادہ ثابت ہوئی یا کوئی مچان یا جنگلا چھوٹا بڑا پڑا' تو اس کو عجلت میں ٹھوک بجا کر وہیں رسولؐ کے سرہانے ٹھیک نہ کیا گیا بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور درست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس دور میں ذرائع مواصلات کیا تھے۔ بھاری بوجھ نہایت ست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا' اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔

سو جب کہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا' اور پھر پانچ سو کے لگ بھگ ہنر مندوں کی جماعت نے بھی اس ہی بستی میں آن کر سکونت پالی تو سب کچھ اب اس جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنے تخلیقی عمل میں یہ فن کار و ہنر مند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیے گئے۔ اوّل یہ کہ تعمیر کے لحۂ اوّل سے لے کر لحۂ تکمیل تک اس جماعت کا ہر ہنر مند اپنے کام کے دوران باوضو رہے' اور دوئم یہ کہ اس دوران وہ ہر لحہ تلاوتِ قرآن جاری رکھے۔

سو' باوضو حافظ قرآن ہنر مندوں کی یہ جماعت پورے پندرہ برس تک مسجد نبویؐ کی تعمیر میں مصروف رہی' اور پھر ایک صبح آئی کہ مسجد نبویؐ کے خلائی نشان کی چوٹی سے فجر کی اذان نے' زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اگی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کیسی ہے' کیا ہے' کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے' اس کے بارے میں تو الگ کتاب لکھوں گا--- یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہان میں نہیں ہے۔ اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے' اپنے آپ سے باہر قدم دھر کے اس کو دیکھو تو یہ کہیں اور' اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر' خلا' ہوا' آواز' لحن' نیت' ایمان اور نور نے مل کر صبر کی ایک نئی بُنت کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ

کے دھاگے ہیں تو ان کی بُنت میں بے رنگ کا دھاگا اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بُنت کو محض معنی ہی نہیں دیتا بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور مخفی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرتا ہے۔ اور اوقات کے اس مرکز سے ہم کو اپنے رسولؐ کی آواز یوں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور خلا آزاد بھی 'کہ جیسے آواز پرندہ بھی ہو اور لہو بھی' کہ اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اُگے تو کبھی نور کی وادیوں میں اندھیرا خود ایک شجر ہو' کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ سو جب ریاض الجنتہ میں اس خلا کے خم پر اپنے رسولؐ کے سرہانے بیٹھو تو کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور نیت کی کیا حدود۔ اور پھر وہ بے نام ہنرمند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسولؐ کے واسطے تھا۔ کہ جنھوں نے اس چٹیل میدان میں' اس جنت کی کیاری کے کنارے' اپنے رسولؐ کی قیام گاہ کی حیا' سکون اور حیرت کو قائم رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے خم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں محض ان کا ہنر ہی نہیں بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے۔ اور پھر ترکوں کے واسطے دعا ہماری پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

(درج بالا مضمون مجلّہ "روایت" شمارہ ا' ۱۹۸۳ء لاہور ص ۳۷۹ - ۳۹۰ میں شائع شدہ مضمون "خاکِ حجاز کے نگہبان" سے ماخوذ ہے)

بقیہ : رسائل و مسائل

مسنون دعا' نمازوں کے بعد اور رات کے وقت زیادہ سے زیادہ مقدار میں اچھی طرح خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے رہیں۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ضَلَعَ الدَّیۡنِ وَ قَھۡرِ الرِّجَالِ"

آپ کو سیونگ سرٹیفکیٹ پر منافع کی جو رقم ملے وہ آپ بحالت موجودہ اپنے اضطراری حالات میں مبتلا شوہر کو دے سکتی ہیں۔ آپ ان کو یہ رقم بھی دے دیں اور ان کے لیے دعا بھی کریں نیز مذکورہ مسنون دعا آپ بھی پڑھا کریں تاکہ آپ کے گھر کے حالات سدھر جائیں۔

انشاء اللہ صبر اور حوصلے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔